مبادیٔ تدبر قرآن! ایک مطالعہ

قسط (۱)

ڈاکٹر ابوسفیان اصلاحی
شعبہ عربی، مسلم یونیورسٹی۔علی گڑھ

ترجمان القرآن مولانا حمید الدین فراہیؒ کے شاگرد مولانا امین احسن اصلاحیؒ کی شخصیت علمی دنیا اور اسلامی حلقوں میں تعارف کی محتاج نہیں، ان کی صلاحیت و لیاقت کے آثار مختلف میدانوں مثلاً خطابت، صحافت، فقہ، حدیث اور تفسیر میں نمایاں ہیں۔لیکن بعد میں اپنی تمام تر توجہ کا مرکز ومحور انہوں نے قرآن کریم کو قرار دیا۔ ایک طرف انہوں نے اپنی تصانیف میں قرانیات کے مختلف پہلوؤں پر اظہار خیال کیااور دوسری طرف اپنے استاد گرامی کے بتائے ہوئے تفسیری اصولوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے ''تدبرِقرآن'' کے نام سے ایک تفسیر لکھی ۔یہ تفسیر اپنے نظریہ نظم قرآن کی رو سے دنیا کی تمام تفاسیر میں ممتاز ومنفرد مقام کی حامل ہے ۔یہ تفسیر کن اصولوں کو مدنظر رکھتے ہوئے ترتیب دی گئی ہے اور اس کے پیچھے کون سے جذبات و ارادے کارفرما ہیں ان کو جاننے کے لیے مولانا کی کتاب مُبادیٔ تدبر قرآن (۱) کا مطالعہ کرنا از حد ضروری ہے یہ کتاب ایک طرح سے دیکھا جائے تو تفسیر تدبر قرآن کا مقدمہ ہے ۔

یہ کتاب اصلاً مولانا کے مختلف قرآنی مقالات کا مجموعہ ہے ،لیکن یہ مقالات اس انداز سے ترتیب دیئے گئے ہیں کہ یہ کتاب کی شکل اختیار کر گئے ہیں۔اس کے باوجود بھی کچھ مقالات میں تکرار کا توارد موجود ہے اس کتاب سے یہ بات وضاحت کے ساتھ سامنے آجاتی ہے کہ وہ کون سی چیزیں ہیں جنہیں مولانا حمید الدین فراہیؒ اور مولانا محمد امین احسن اصلاحیؒ فہم القرآن اور اس کے تفکر و تدبر کے لیے ضروری تصور کرتے تھے۔اور حدیث کے باب میں فراہی اسکول کا کیا نقطہ نظر ہے اس پر بھی تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے۔(۲)

یہ کتاب چار مقالات پر مشتمل ہے فہم قرآن کے لئے بعض ابتدائی شرطیں، تدبر قرآن، تیسیر قرآن اور تفسیر کے اصول، ان میں مقالہ تیسیر قرآن بڑی اہمیت کا حامل ہے اس مضمون سے یہ پتہ چلتا ہے کہ مولانا کی قرآن کریم پر گہری نظر تھی،اس میں تیسیر قرآن کے متعدد پہلوؤں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے ۔اور قرآن کریم کے بارے میں جو ایک عام تاثر یہ ہے کہ وہ اپنے معنی ومفہوم اور زبان و بیان کے لحاظ سے آسان ہے اس کی

حکمتوں اورشیعوں تک رسائی بہت معمولی چیز ہے ۔مولانا نے دلائل کی روشنی میں اس کی تردید کی ہے اور تیسیر قران کا صحیح مفہوم پیش کیا ہے۔

'' فہم قرآن'' کے تحت مولانا نے چند شرائط کا ذکر کیا ہے اور یہ شرائط فہم قرآن کے لئے اتنی ہی ضروری ہیں جتنا کہ نماز کے لئے وضو اور طہارت،فہم قرآن کی اولین شرط نیت کی پاکیزگی ہے یعنی وہ قرآن کریم کا مطالعہ اس نیت سے کرے کہ وہ اس کے ذریعہ ہدایت اور فلاح کے راستوں کو پالے گا۔لیکن ایسے بہت سے حضرات جو اپنی ذاتی اغراض کے تحت قرآن کریم کا مطالعہ کرتے ہیں۔ہوسکتا ہے کہ وہ اپنی ذاتی اغراض میں کامیابی حاصل کرلیں لیکن ہدایت قرآن سے محروم رہیں گے مولانا فرماتے ہیں قرآن مجید کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت کا صحیفہ بنا کر اتارا ہے اور ہر آدمی کے اندر طلب ہدایت کا داعیہ ودیعت کردیا ہے اگر اس داعیہ کے تحت آدمی قرآن مجید کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو وہ قرآن مجید سے بقدر کوشش اور بقدر توفیق الٰہی فیض پاتا ہے اور اگر اس داعیہ کے علاوہ کسی اور داعیہ کے تحت وہ قرآن کو استعمال کرنا چاہتا ہے تو "لکل امرمانوی" کے اصول کے مطابق وہ وہی چیز پاتا ہے ۔(۳) قرآن کریم میں اس کی طرف یوں اشارہ کیا گیا ہے ۔

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُ الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى فَمَا رَبِحَتْ تِّجَارَتُهُم وَ مَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ . (بقرہ:۱۶)

یہی لوگ ہیں جنہوں نے اختیار کیا گمراہی کو ہدایت کے بدلے تو ان کی یہ تجارت ان کے لئے نفع بخش نہ ہوئی اور وہ ہدایت پانے والے نہ ہوئے۔

نیت کی پاکیزگی کے بعد دوسری شرط یہ ہے کہ قرآن کریم کوایک برتر کلام اور دنیا کی عظیم کتاب مانا جائے ۔کیونکہ بغیر اس کے اس کی حکمتوں اور خزینوں سے استفادہ ممکن نہیں۔قرآن کے طالب علم کے ذہن میں یہ چیز پورے وثوق کے ساتھ موجود ہو کہ یہ کتاب ایک عظیم الشان تاریخ کی حامل ہے ایک معجز کلام ہے ایک آسمانی کتاب اور لوح محفوظ سے اترا ہوا کلام ہے ۔یہ سب چیزیں اس لئے ضروری ہیں کہ منکرین یہ سمجھتے ہیں کہ یہ کتاب عرب کے بدوؤں کے لئے اتاری گئی تھی اور موجودہ حالات میں یہ کتاب اپنا کوئی مفہوم نہیں رکھتی اور اس کتاب کے ماننے والوں کا یہ خیال ہے کہ یہ کتاب حرام و حلال کے احکامات پر مبنی ہے اور جب سے فقہ کی تدوین ہوگئی ہے اس کی اہمیت میں اور کمی آگئی ہے ۔اسے صرف تبرک کے نقطہ نظر سے دیکھتے ہیں بہت سے لوگ اسے اچھی نصیحتوں کا مجموعہ سمجھتے ہیں بہت سے لوگ اس کو نزع کی سختیوں کو دور کرنے اور ایصال ثواب کی کتاب سمجھتے ہیں اور بہت سے لوگ اس کو دفع بلیات وآفات کا تعویذ سمجھتے ہیں۔(۴)

فہم قرآن کی چوتھی شرط یہ ہے کہ قرآن کریم کے تقاضوں کو پورا کیا جائے اور اسی کے مطابق اپنے ظاہر و باطن کوتبدیل کیا جائے ،اس نقطہ نظر سے قرآن کریم کا مطالعہ کیا جائے گا تو جگہ جگہ انسانی خواہشات قرآنی تقاضوں سے متصادم ہوتے ہوئے نظر آئیں گی اور انسان کو اپنے مطالبات سے باز آنا جوئے شیر لانے کے

مترادف ہوگا۔لیکن جس کے اندر استقلال اور پختہ ارادہ ہوگا وہ ضرور اپنے اندر قرآنی تقاضوں کے مطابق تبدیلی لائے گا۔لیکن جو پرعزم نہیں ہے اس کے متعلق مولانا لکھتے ہیں وہ اس خلیج کو پاٹنے کی ہمت نہیں کرسکتا جو اپنے اور قرآن کے درمیان حائل پاتا ہے وہ یہ محسوس کرتا ہے کہ اگر میں اپنے عقائد وتصورات کو قرآن کے مطابق بنانے کی کوشش کروں تو مجھے ذہنی اور فکری حیثیت سے نیا جنم لینا پڑے گا۔(۵)

لیکن جو لوگ مختلف آزمائشوں سے گزر کر بھی قرآنی تقاضوں اور قرآنی راستوں کو نہیں چھوڑتے ہیں اللہ ان کے لئے راہیں ہموار کر دیتا ہے۔اگر ایک دروازہ بند ہوتا ہے تو دوسرا دروازہ اس کے لئے کھول دیا جاتا ہے۔اگر ایک زمین اس کے لئے تنگ ہو جاتی ہے تو دوسری سرزمین اس کے لئے آغوش بن جاتی ہے۔قرآن کریم میں اسی چیز کی طرف یوں اشارہ کیا گیا۔

وَ الَّذِیْنَ جَاهَدُوْا فِیْنَا لَنَهْدِیَنَّهُمْ سُبُلَنَا وَ اِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِیْنَ .

(عنکبوت:۶۹)

اور جو ہماری راہ میں جدوجہد کریں گے۔ہم ضرور ان پر اپنی راہیں کھولیں گے اور اللہ خوبیوں کے طالبوں کے ساتھ ہے۔

قرآن کریم سے استفادہ کی چوتھی شرط تدبر ہے قرآن کریم نے تدبر نہ کرنے والوں کو ان لفظوں میں یاد کیا ہے:

اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰی قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا (۴۷:۲۴)

کیا یہ لوگ قرآن پر غور نہیں کرتے یا ان کے دلوں پر تالے چڑھے ہوئے ہیں۔

صحابہ کرامؓ مستقل قرآن کریم پر غور کرتے اور اجتماعی طور پر قرآن کا مطالعہ کرتے۔خلفاء راشدین اور بالخصوص حضرت عمرؓ اس قسم کے حلقوں اور قرآن کریم کے ماہرین سے برابر دلچسپی لیتے۔صحابہ کرامؓ صرف تبرک کے نقطہ نظر سے تلاوت نہ کرتے نہ ہی اسے جانکنی کی سختیوں کو آسان کرنے کے لئے پڑھتے اور نہ ہی اسے تعویذ کے طور پر استعمال کرتے۔(۶)

فہم قرآن کی پانچویں شرط یہ ہے کہ تدبر وتفکر کے وقت بہت سی ایسی مشکلات پیش آئیں گی کہ اسے بددلی اور قنوطیت کی طرف لے جائیں گی۔لیکن ان حالات میں اسے دامن صبر کو ہاتھ سے نہ جانے دینا چاہیے۔مولانا فرماتے ہیں کہ اس طرح کی عملی وفکری مشکلوں اور الجھنوں سے نکلنے کا صحیح اور آزمودہ راستہ صرف یہ ہے کہ آدمی اللہ تعالیٰ سے دعا کرے اور قرآن مجید پر جما رہے۔اگر قرآن مجید یاد ہو تو شب کی نمازوں میں قرآن ٹھہر ٹھہر کر پڑھے۔انشاء اللہ اس کی ساری الجھنیں دور ہو جائیں گی اور حکمت قرآن کے ایسے دروازے اس پر کھل جائیں گے کہ پھر اس کو قرآن حکیم کی ہر مشکل آسان معلوم ہونے لگے گی۔(۷)

فہم قرآن کی شرائط کے بعد اس کتاب کا دوسرا باب ''تدبر قرآن'' ہے۔تدبر قرآن کے لئے کن کن

امور کی ضرورت ہوتی ہے ۔وہی چیزیں اس باب میں زیر بحث ہیں قرآن کریم نے جگہ جگہ تفکر و تدبر کی بات کہی ہے بغیر اس کے قرآنی اسرار وحکم کے دروازے کھل نہیں سکتے ۔اور اس تفکر و تدبر کے کچھ ضابطے اور قواعد ہیں ۔اگر انہیں نہ برتا گیا تو راہ ہدایت کا حصول ممکن نہیں ہوگا۔یہی وجہ ہے کہ ماضی میں بے شمار فتنے پیدا ہوئے اور سبھوں نے قرآن کریم ہی سے دلائل پیش کئے۔مولانا فرماتے ہیں کہ خوارج اپنے گمان کے مطابق قرآن مجید ہی کے سہارے ابھرے۔ باطنیوں کے تمام استدلات کی بنیاد ان کے خیال میں قرآن مجید ہی پر ہے۔بابیوں اور بہائیوں نے جو کچھ کہا اپنے زعم کے مطابق قرآن مجید ہی سے کہا۔قادیانیوں کی نبوت کی اساس ان کے دعوے کے مطابق قرآن مجید ہی پر ہے اور چکڑالوی تو قرآن کے سوا کچھ بولتے ہی نہیں۔(۸)

آخر ایسا کیوں ہے؟ جبکہ قرآن کریم ہدایت اور وضاحت کے لئے آیا تھا۔اختلافات کو ختم کرنے کے لئے نازل کیا گیا تھا۔اپنی تعلیمات میں غیر مشتبہ اور غیر مبہم ہے اور ہر اعتبار سے اس کے اندر ایک نظم، توافق اور کامل وحدت ہے۔ اگر ایسا ہے تو مناسب تو یہ تھا کہ تمام فرقوں کو ایک سطح پر لاکھڑا کر دیتا اور ان کے تمام اختلافات اور انتشارات کو مٹا دیتا۔مولانا نے اس کا جواب ان لفظوں میں دیا ہے ۔''قرآن مجید کے مطالعہ کے کچھ خاص آداب وقواعد ہیں جن کا لحاظ اور اہتمام ضروری ہے ۔ان کے بغیر قرآن کی راہ نہیں کھل سکتی ان میں سب سے مقدم جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا ہے ۔ارادہ اور نیت کی درستی ہے یہ اللہ کی کتاب ہے اور خلق کی ہدایت کے لئے نازل ہوئی ہے اس لئے سب سے مقدم یہ ہے کہ انسان بالکل خالی الذہن ہو کر اس کو صرف طلب ہدایت کے لئے پڑھے اور اپنے قلب و دماغ کو پورے طور پر اس کے حوالے کر دے اپنے دل کی باگ اس کے ہاتھ میں دے دے۔(۹)

قرآن کریم نے اپنی خصوصیت کی طرف خود اشارہ کیا ہے:

هُوَ الَّذِیْ اَنْزَلَ اِلَیْكَ الْكِتَابَ مِنْهُ آیَاتٌ مُّحْكَمَاتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتَابِ وَاُخَرُ مُتَشَابِهَاتٌ فَاَمَّا الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ زَیْغٌ فَیَتَّبِعُوْنَ مَاتَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَآءَ تَاوِیْلِهٖ وَ مَا یَعْلَمُ تَاوِیْلَهٗ اِلَّا اللّٰهُ وَ الرَّاسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ یَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا وَ مَا یَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ۔

(آل عمران: ۷)

وہی ہے جس نے اُتاری تم پر کتاب، جس میں سے کچھ آیات محکمات ہیں اور وہی اصل کتاب ہیں اور دوسری متشابہات ہیں تو جن لوگوں کے دلوں میں کجی ہے وہ قرآن کی متشابہات کے پیچھے پڑتے ہیں فتنہ پیدا کرنے کے لئے اور اس کی اصل ماہیت دریافت کرنے کے لئے حالانکہ اس کی ماہیت نہیں معلوم ہے مگر اللہ کو اور جو علم میں پختہ ہیں وہ کہتے ہیں ہم ان پر ایمان لائے سب ہمارے

رب کی طرف سے ہے اور نہیں سمجھتے ہیں مگر وہ جو عقل والے ہیں۔

اس کے بعد مولانا نے بتایا کہ قرآن کریم میں دو طرح کی آیات ہیں محکم اور متشابہہ اور اس کے بعد اس پر اظہار خیال کیا ہے کہ قرآن پڑھنے والوں کی دو قسمیں ہیں۔ایک تو وہ حضرات جو صرف طلب رشد وہدایت کے لئے پڑھتے ہیں۔چنانچہ آیات محکمات ان کے لئے طمانیت اور ذہنی آسودگی کا سبب بن جاتی ہیں۔اور جب بھی وہ ذہنی وساوس اور خلجان میں مبتلا ہوتے ہیں تو ان کی زبان پر یہ دعا جاری ہوجاتی ہے۔(۱۰)

رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَ هَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً۔ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ○ (آل عمران: ۸)

اے ہمارے رب ہم کو ہدایت دینے کے بعد ہمارے دلوں کو ڈانواں ڈول نہ کر،
اپنے پاس سے ہم کو رحمت بخش تو بڑا بخشنے والا ہے۔

دوسری جماعت ان لوگوں کی ہے جو اپنے اغراض وخواہشات کی تکمیل کے لئے قرآن کریم کا مطالعہ کرتے ہیں۔مولانا فرماتے ہیں کہ ان کا مقصود طلب رشدوہدایت سے زیادہ یہ ہوتا ہے کہ اپنے کسی قرار دادہ مسلک کی تائید کے لئے اس میں دلیلیں تلاش کریں، یا جن سے ان کو اختلاف ہے ان کو چپ کرانے کے لئے اس میں سے اعتراضات اور کج بحثیاں ڈھونڈ ڈھونڈ کر نکالیں۔(۱۱)

جبکہ قرآن کریم تطہیر قلب اور روح کے تزکیہ کے لئے نازل کیا گیا ہے۔یہ دماغی عیاشیوں اور کج بحثیوں؟ کے لئے نہیں نازل کیا گیا ہے۔قرآن کریم میں ارشاد ہے:

اِنَّ فِي ذٰلِكَ لَذِكْرٰى لِمَنْ كَانَ لَهٗ قَلْبٌ اَوْ اَلْقَى السَّمْعَ وَ هُوَ شَهِيْدٌ

(سورہ ق:۳۷)

اس کے اندر اس شخص کے لئے یاددہانی ہے جس کے پاس بیدار دل ہو یا وہ کان لگائے متوجہ ہوکر۔

یعنی قرآن کریم ان لوگوں کے لئے صحیفہ ہدایت ہے جو:

اِلَّا مَنْ اَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ (۲۶.۸۹)
مگر جو اللہ کے پاس قلب سلیم لے کر آئے۔

اور اسی طرح سورہ ق میں آیا ہے کہ وَ جَآءَ بِقَلْبٍ مُّنِيْبِ (۵۰.۳۳)(جو متوجہ ہونے والا دل لے کر آئے)جو لوگ قلب سلیم اور قلب منیب کے بغیر قرآن کریم کا مطالعہ کرتے ہیں ان کے لئے یہ کتاب، کتاب ہدایت ثابت نہیں ہوسکتی۔(۱۲)

قرآن کریم میں ارشاد ہے:

اَلَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِيْ اٰيَاتِ اللّٰهِ بِغَيْرِ سُلْطَانٍ اَتَاهُمْ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ

وَ عِنۡدَ الَّذِیۡنَ آمَنُوۡا کَذَالِكَ یَطۡبَعُ اللّٰہُ عَلٰی کُلِّ قَلۡبِ مُتَکَبِّرٍ جَبَّارٍ.
(غافر: ۳۵)

قرآن کریم کا نزول اس لیے ہوا ہے کہ وہ لوگوں کو تاریکیوں سے نکال کر اجالوں کی طرف لے آئے لیکن یہ ہدایت اور ضلالت قرآن کریم کے قانون اور ضابطے کے مطابق ہوتی ہے۔اللہ قانون حکمت کے مطابق جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ضلالت دیتا ہے۔وہ اہل ایمان کو ہدایت دیتا ہے او اہل کفر جن کے اولیاء طاغوت ہیں انہیں ضلالت سے ہمکنار کرتا ہے۔مولانا نے سورہ بقرہ کی آیات ۲۵۸ سے ۲۶۰ تک نقل کی ہیں جن سے تین ایسے لوگوں کی مثالیں پیش کی ہیں۔جنہیں تاریکی سے نکال کر روشنی کی طرف لاتا ہے یا ان کو تاریکی میں چھوڑ دیتا ہے۔ایک تو وہ ہے جو اپنی دولت وحکومت اور سلطنت وعظمت کے نشہ میں مخبوط ہے۔وہ حضرت ابراہیم کی پیش کردہ روشنی سے اعراض کرتا ہے اور دوسرا وہ شخص ہے جو یقین و بصیرت کا طلبگار ہے۔طلب ہدایت اور حصول رشد کے لئے مضطرب ہے مولانا ایسے حیرت زدہ شخص کے لئے لکھتے ہیں۔" وہ بستیوں کے ہجوم سے بھاگتا اور شہروں کے اژدھام سے گھبراتا ہے اور چاہتا ہے کہ کسی مقام عبرت و موعظت کا کوئی خلوت کدہ میسر آجائے تو اپنے سوالوں کو لے کر بیٹھ جائے جن کے جواب کے لئے وہ ہمہ وقت تشنہ و بیقرار ہے۔ اللہ تعالیٰ ایسے شخص کی تمام الجھنوں کو دور کر دیتا ہے اور وہ یقین کامل کی روشنی سے معمور ہو کر پکار اٹھتا ہے کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے:

فَلَمَّا تَبَیَّنَ لَہٗ قَالَ اَعۡلَمُ اَنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ . (البقرۃ: ۲۵۹)

اس کے بعد تیسرے شخص حضرت ابراہیمؑ کی مثال ہے جو اللہ سے یہ درخواست کرتے ہیں کہ مجھے مردوں کو زندہ کرتے ہوئے دکھا دے، مجھے پورا یقین ہے کہ تو ہر چیز پر قادر ہے لیکن یہ مطالبہ صرف شرح صدر کے لئے ہے۔یعنی یہ تیسرا شخص نہ تو پہلے کی طرح متکبر ہے اور نہ ہی دوسرے کی طرح متشکک۔ اسی طرح کی ایک مثال سورہ مجادلہ میں ذکر ہے۔ایک عورت ہے جو دینی معاملات میں اللہ سے مجادلہ اور رسول سے شکوہ کرتی ہے۔یہ مجادلہ اور شکوہ اس لیے ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے شکوک اور اضطرابات کو دور کرے اور اس کے بعد ایک منافق کی مثال دی گئی ہے جو اس گھات میں رہتا ہے کہ دین اسلام میں کوئی ایسی اعتراض اور نکتہ چینی کی بات پائیں اور اس کو لے اڑیں۔(۱۳) ان کے متعلق قرآن کریم ارشاد فرماتا ہے:

اِنَّ الَّذِیۡنَ یُحَآدُّوۡنَ اللّٰہَ وَ رَسُوۡلَہٗ کُبِتُوۡا کَمَا کُبِتَ الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِھِم وَ
قَدۡ اَنۡزَلۡنَاۤ آیَاتٍ بَیِّنَاتٍ وَ لِلۡکَافِرِیۡنَ عَذَابٌ مُّھِیۡنٌ ۔ (سورہ المجادلۃ: ۵)

جو لوگ اللہ اور اس کے رسول سے جھگڑا کرتے ہیں وہ لوگ ذلیل کر دیئے گئے ہیں جس طرح وہ لوگ ذلیل کر دیئے گئے جو ان سے پہلے تھے اور ہم نے کھلی کھلی آیتیں اتار دی ہیں اور کافروں کے لئے ذلیل کرنے والا عذاب ہے۔

اوپر جو ایک عورت اور ایک منافق کا ذکر آیا ہے اصلاً یہ دو جماعتوں کا ذکر ہے اور اس سے یہ بتانا مقصود ہے کہ خدا اور رسول کے ساتھ معاملہ کرنے کا طریقہ عرض ومعروض اور شکوہ و التجا ہے نہ کہ محارّہ اور مشاقہ۔ پس خدا کے دین یا اس کی کتاب میں اگر کوئی مشکل پیش آ جائے تو اس کی راہ صرف یہی ہے کہ اس کو خدا ہی کے سامنے پیش کرے اور اسی سے تسلی وتشفی اور فتح باب کا متمنی ہو۔ یہ نہ کرے کہ جھٹ اس کو ذریعہ اعتراض و نکتہ چینی بنا کر ایک نیا دین کھڑا کر دے۔(۱۴)

تدبر قرآن کی ایک بنیادی شرط تقویٰ اور عمل ہے سورہ بقرہ کی پہلی ہی آیت میں مذکور ہے:

ذٰلِكَ الْكِتَابُ لَارَيْبَ فِيْهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ۔

اور سورہ لقمان میں ہے:

تِلْكَ آيَاتُ الْكِتَابِ الْحَكِيْمِ○ هُدًى وَّ رَحْمَةً لِّلْمُحْسِنِيْنَ. (۳۱: ۲-۳)

یہاں ایک سوال اٹھتا ہے کہ آخر یہ کیوں صرف متقین اور محسنین ہی کے لیے صحیفہ ہدایت ہے؟ اس کا جواب دیتے ہوئے مولانا نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو درجہ بدرجہ ہدایت دی ہے۔ ہدایت کا پہلا زینہ ہدایت جبلت ہے جس کا ذکر قرآن کریم میں یوں ہوا ہے:

وَ الَّذِیْ قَدَّرَ فَهَدٰى ۔(۸۷: ۳) فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَ تَقْوٰاهَا (۹۲: ۸)

یہ دراصل ادراک وتعقل اور ذوق و وجدان کی ہدایت ہے، جس میں تمام بنی نوع انسان یکساں طور پر شامل ہیں۔ اور اس کی مدد سے وہ اپنے کاموں میں نظم وترتیب پیدا کر سکتے ہیں اور اپنی ذاتی قوت فیصلہ سے شر کو چھوڑ کر خیر کو اختیار کر سکتے ہیں۔ اس کے بعد ہدایت کا دوسرا درجہ انبیاء ورسل کی بعثت سے ظہور میں آیا۔ چنانچہ انبیاء ورسل کی کدوکاوش سے شریعت کا وجود ہوا اور اس شریعت کی تکمیل بھی بتدریج ہوئی۔ آخر میں آنحضورؐ نے اس شریعت کی تکمیل فرمائی جسے دین اسلام کے نام سے دنیا جانتی ہے۔

قرآن کریم نے براہ راست تین جماعتوں کو مخاطب کیا ہے۔ عرب، یہود اور نصاریٰ، عربوں میں کچھ ایسے تھے جو دین ابراہیمی کی سادگی پر قائم تھے۔ اسی طرح یہود کی ایک چھوٹی سی جماعت حق پر قائم تھی۔ اور نصاریٰ میں سے کچھ لوگ بھی صحیح دین مسیح پر باقی تھے۔ قرآن نے سب سے پہلے عربوں کو مخاطب کیا چنانچہ ان میں جو دین ابراہیمی کی فطری سادگی پر قائم تھے انہوں نے جب قرآن کی آواز سنی تو ان کو محسوس ہوا کہ گویا اپنے ہی دل کی آواز سن رہے ہیں۔ انہوں نے دعوت قرآن کو بغیر معجزہ کے مطالبہ کے قبول کر لیا۔ سورہ نور میں انہی لوگوں کی طرف اشارہ کیا گیا:

... يَكَادُ زَيْتُهَا يُضِيْٓءُ وَ لَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ نُوْرٌ عَلٰى نُوْرٍ يَهْدِى اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ... ۔ (۲۴: ۳۵)

اس آیت میں جن لوگوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے ان سے محسنین اور متقین مراد ہیں۔ احادیث میں بھی احسان

کا یہی مفہوم بیان کیا گیا ہے۔مولانا کا بھی یہی خیال ہے کہ قرآن مجید نے اسی مفہوم کے اعتبار سے اہل مکہ یا اہل کتاب کی ان جماعتوں کے لئے اس کو استعمال کیا ہے جنہوں نے فطرت اور وحی کی روشنی سے پورا پورا فائدہ اٹھایا ،قرآن میں جگہ جگہ وارد ہے کہ اللہ ایسے لوگوں کو راہ راست پر رکھتا ہے۔ان کے عمل کو ضائع نہیں کرتا،ایسے ہی لوگوں کے لئے یہ کتاب الٰہی ہدایت و رحمت ہے۔(۱۵)

ان کے علاوہ جو دوسرے حضرات تھے انہوں نے اپنی فطری صلاحیتوں کو برباد کرڈالا تھا۔اوروہ غیر فطری معتقدات و اوہام کے شکار ہوگئے تھے۔ مولانا نے ان لوگوں پر اس طرح روشنی ڈالی ہے ''چنانچہ جب آنحضرتؐ نے ان کے سامنے قرآن مجید پیش کیا تو انہوں نے اپنے کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیں۔اس کے سننے اور سمجھنے سے انکار کردیااور ان کا یہ انکار درحقیقت ان کے بہت سے سابق انکاروں کا لازمی نتیجہ تھا۔ انہوں نے ہدایت کے ابتدائی مراحل میں اس کو قبول کرنے سے اعراض کیا۔اس لئے بعد کے مرحلوں میں بھی اس کا ساتھ نہ دے سکے اور ایسا ہونا قدرتی تھا۔(۱۶)

اس کے بعد مولانا نے اس پہلو کو لیا ہے کہ شریعت الٰہی عمل کے لئے نازل ہوئی ہے اسی لئے یہاں علم کے ساتھ ساتھ عمل بھی ضروری ہے اگر علم بغیر عمل کے ہے تو یہ علم ناقابل اعتبار ہے اور اس علم سے مزید علم وعمل کے دروازے نہیں کھلا کرتے، ایسے علم کو علم نہیں بلکہ جہل کہیں گے۔ یہود کی اکثریت کا معاملہ بھی ایسا ہی تھا، انہوں نے اپنے تمام انبیاء کی تعلیمات کو جھٹلا دیااور قرآن مجید کا بھی انکار کردیا۔

مولانا آگے لکھتے ہیں کہ حضرت ابراہیمؑ سے ابتداء ہی میں یہ اصولی بات ذکر کردی گئی تھی، اللہ تعالیٰ نے انہیں بہت سے امتحانوں سے گزرنے کے بعد کہا کہ اِنِّی جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا اسی طرح حضرت موسیٰ(ع) نے جب اللہ تعالیٰ سے اپنی قوم کے لئے دعا کی ۔(۱۷)تو اللہ نے فرمایا:

... عَذَابِیْٓ اُصِیْبُ بِهٖ مَنْ اَشَآءُ وَ رَحْمَتِیْ وَسِعَتْ كُلَّ شَیْءٍ فَسَاَكْتُبُهَا لِلَّذِیْنَ یَتَّقُوْنَ ... (اعراف:۱۵۶)

میرا عذاب تو میں جس پر چاہتا ہوں (یعنی جو اس کا مستحق ہوتا ہے) اس پر نازل کرتا ہوں اور میری رحمت ہر چیز کو عام ہے۔ پس میں اس کو لکھ رکھوں گا، ان لوگوں کے لیے جو تقویٰ پر قائم رہیں گے۔

یعنی جو اللہ کے عہد پر قائم رہیں گے اور اس کی حدود کا پاس ولحاظ رکھیں گے، انہی کے لیے یہ کتاب باعث ہدایت ثابت ہوگی۔مولانا فرماتے ہیں، اس کو وہی لوگ قبول کریں گے، جو متقی ہیں، جنہوں نے اپنے عہد و پیمان کو قائم رکھا ہے۔ جنہوں نے خدا کی نعمت کی قدر کی ہے۔جنہوں نے اپنے انبیاء کی تعلیمات کو یاد رکھا ہے اور جن لوگوں نے خدا سے کئے ہوئے عہد کو توڑ دیا ہے اس کے رشتوں پر مقراض چلا چکے ہیں۔وہ ہرگز قرآن کریم کو بطور صحیفہ ہدایت کے قبول نہیں کریں گے۔قرآن کریم میں ارشاد ہے:

... يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا وَّ يَهْدِىْ بِهٖ كَثِيْرًا وَ مَايُضِلُّ بِهٖٓ اِلَّا الْفَاسِقِيْنَ ○ الَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ وَ يَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَ يُفْسِدُوْنَ فِى الْاَرْضِ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخَاسِرُوْنَ ۔(بقرہ:۲۶۔۲۷)

اللہ تعالیٰ اس حقیر مثال سے گمراہ کرتے ہیں اللہ تعالیٰ اس مثال کی وجہ سے بہتوں کو اور ہدایت کرتے ہیں اس کی وجہ سے بہتوں کو گمراہ نہیں کرتے ۔اللہ تعالیٰ اس مثال سے کسی کو مگر صرف بے حکمی کرنے والوں کو جو کہ توڑتے رہتے ہیں اس معاہدے کو جو اللہ تعالیٰ سے کر چکے تھے اس کے استحکام کے بعد اور قطع کرتے رہتے ہیں ان تعلقات کو کہ حکم دیا ہے اللہ نے ان کو وابستہ رکھنے کا اور فساد کرتے رہتے ہیں۔ زمین میں پس یہ لوگ پورے خسارے میں پڑنے والے ہیں۔

آگے مولانا فرماتے ہیں کہ بنی اسرائیل نے چونکہ اللہ کے وعدوں اور اس کی نعمتوں کی قدر نہیں کی اسی لئے وہ قرآن عظیم جیسی نعمت اور رحمت سے محروم رہے۔ٹھیک یہی حال نصاریٰ کے ایک بڑے حصے کا بھی تھا۔جو تعلیمات قرآن کو اپنے افکار وخیالات کے برعکس تصور کرتا تھا۔چنانچہ یہ حضرات قرآن کریم کی ہدایت سے محروم رہے۔لیکن ان میں سے ایک ایسا صالح العقیدہ طبقہ تھا جس نے قرآن کریم کی آواز پر بڑھ کر لبیک کہا۔قرآن کریم نے انہیں محسنین کے لقب سے یاد کیا۔قرآن کریم میں ارشاد ہے:

فَاَثَابَهُمُ اللّٰهُ بِمَا قَالُوْا جَنّٰتٍ تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَ ذٰلِكَ جَزَآءُ الْمُحْسِنِيْنَ ۔(سورہ المائدہ:۸۵)

پس ان کے اس قول کے صلہ میں اللہ نے ان کو ایسے باغ دیئے جن کے نیچے نہریں جاری ہیں اس میں ہمیشہ رہیں گے اور یہ بدلہ محسنین کا۔

مولانا فرماتے ہیں کہ اس تفصیل کے بعد یہ بات واضح ہوگئی کہ قرآن مجید کے متعلق جو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ یہ ہدایت ہے متقین کے لئے ،یہ ہدایت ہے محسنین کے لئے تو اس کا مفہوم اس سے کس قدر وسیع ہے جو ہم عام طور پر سمجھتے ہیں۔اس کا مطلب یہ ہے کہ قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی ایک بہت بڑی نعمت ہے اس وجہ سے اس کا فہم و تدبر صرف انہی لوگوں کو نصیب ہوتا ہے، جو اس نعمت پر اللہ کے شکر گزار ہوں اور اس کی شکر گزاری یہ ہے کہ یہ جس مقصد کے لئے ان کو دی گئی ہے اس مقصد کو پورا کریں۔ اس کو دینے کا مقصد یہ ہے کہ اپنی عملی و اعتقادی زندگی پر اس کو پوری طرح طاری کریں، جوں جوں وہ اس نعمت کے قدر و احترام میں بڑھتے جائیں گے اس قدر اس کی برکتیں ان کے لئے بڑھتی جائیں گی۔(۱۹)

اس کے بعد مولانا نے تدبر قرآن کے داخلی اور خارجی وسائل سے بحث کی ہے ۔لیکن مولانا نے خود بتایا کہ یہاں پہلے سوال کے ایک حصہ اور دوسرے سوال کے بعض ضروری پہلوؤں کی طرف بالاجمال اشارہ کیا گیا

ہے۔

پہلے سوال کے ایک حصہ کا ذکر کرتے ہوئے مولانا نے بتایا کہ قرآن مجید کے فہم وتدبر کے لئے سب سے پہلی چیز خود قرآن کریم ہے۔ سلف کا یہ مذہب رہا ہے کہ وہ تمام مشکلات میں پہلے قرآن کریم ہی کی طرف رجوع کرتے۔ کیونکہ اَلْقُراٰنُ یُفَسِّرُ بَعْضُہٗ بَعْضًا اور قرآن نے خود اپنی صفت کتابًا متشابہًا بتائی ہے۔ مفرد الفاظ کے علاوہ اسالیب کلام ونحوی تالیف وغیرہ کے باب میں بھی قرآن مجید کا یہی حال ہے۔ مولانا کہتے ہیں کہ ارباب نحو قرآن مجید کی جن ترکیبوں میں نہایت الجھے ہیں اور کسی طرح اس کو نہیں سلجھا سکے ہیں خود قرآن مجید میں ان کی مثالیں ڈھونڈیئے تو ایک سے زیادہ مل جائیں گی اور پیش وعقب کے ایسے دلائل وقرائن کے ساتھ مل جائیں گی کہ ان کے بارے میں ہمارے اطمینان کو کوئی چیز مجروح نہیں کرسکتی۔ اس کے علاوہ قرآن مجید کی تعلیمات ،اس کے تاریخی اشارات اور اس کی مخفی تعلیمات کے سلسلے میں تمام مفسرین نے اعتراف کیا ہے کہ قرآن کریم نے دوسرے مقامات پر اس کی تفسیر اور تصریح بیان کی ہے۔

قرآن کریم کی تفسیر کے سلسلے میں مولانا کا خیال ہے کہ تفاسیر کو ہرگز مقدم نہ رکھا جائے۔ تفاسیر دو طرح کی ملتی ہیں۔ ایک تو کسی مکتب فکر کی نمائندگی کرتی ہیں یا تو روایات اور اقوال سلف کے تمام رطب ویابس کا مجموعہ ہیں۔ مولانا کا خیال ہے کہ قرآن کریم کا طالب علم ہرگز ان تمام تفاسیر کے چکر میں نہ پڑے۔ ورنہ اس کی تحقیق اور جستجو کا سلسلہ منقطع ہو جائے گا۔ پہلے کسی نتیجہ تک پہنچنے کے بعد ان تفاسیر کا رخ کرے، انشاء اللہ روایات سے ضرور اس کی تائید ہو گی۔ اگر روایات سے تائید نہ ہو رہی ہو تو دوبارہ اپنے خیال اور روایات کو سامنے رکھ کر غور کرے، انشاء اللہ یا تو آپ کی رائے کی کمزوری کا پہلو واضح ہو جائے گا۔ یا حدیث کا ضعف منظر عام پر آ جائے گا۔ لیکن ان مقامات پر عجلت کی نہیں بلکہ توقف کی ضرورت ہے۔ اس طرح دھیرے دھیرے ضرور وہ حکمتوں اور معارف کے خزینوں کو پالے گا۔

مولانا نے فہم قرآن کے متعلق یہ بھی بتایا کہ طالب قرآن کے لئے ضروری ہے کو وہ عہد نزول قرآن، قدیم عرب اور ان سے متعلقہ اقوام کی تاریخ سے واقف ہو کیونکہ قرآن کریم کی بے شمار آیات انہی موضوعات سے متعلق ہیں۔ کیونکہ ان کے بغیر قرآن کریم کی تاثیر پورے طور سے منظر عام پر نہیں آ سکتی۔ ایک عرب، آیات قرآن کریم سن کر کیوں بے خود ہو جاتا تھا کیونکہ وہ عہد نزول قرآن سے پوری طرح واقف تھا۔ آج جب تک لوگوں کے سامنے اس عہد کی تمام خصوصیات اور گذشتہ اقوام کے حقائق نہ بیان کئے جائیں گے اس وقت تک قرآن کریم کی پوری اہمیت منظر عام پر نہیں آ سکتی۔ (۲۰) مولانا فرماتے ہیں اس عہد کی تمدنی حالت، اس عہد کے سیاسی رجحانات، اس زمانے کے مذہبی عقائد وتصورات اور اخلاقی معیارات وغیرہ، نیز زمانہ نزول قرآن میں مختلف قوموں کے تعلقات کی نوعیت، ان کے دستور ومراسم کی کیفیات، ان کے اصنام کی خصوصیات اور تمدن وسیاست پر ان کے اثرات وغیرہ (۲۱) پر قرآن کریم پر غور کرنے والے کی نظر ہونا بہت ضروری ہے۔ ایسی کوئی

تفسیر ہے جو اس سلسلے میں ہماری رہنمائی کر سکے؟اس کے علاوہ عرب کی جو تاریخ موجود ہے۔ وہ ناقابل اعتبار ہے اس لئے اس باب میں جو کچھ قرآن میں موجود ہے اسی پر اعتماد کیا جائے اس سلسلے میں مولانا نے اپنے استاذ گرامی کا حوالہ دیا ہے کہ اس باب میں ان کی تفسیر سورہ فیل (۲۲) ایک اعلیٰ نمونہ کا درجہ رکھتی ہے۔مولانا لکھتے ہیں''اس معاملہ میں استاذ امام مولانا حمید الدین صاحب فراہیؒ کے طریق فکر ونظر کا اندازہ کرنے کے لئے سورہ فیل کی تفسیر پڑھنی چاہیے اس سے معلوم ہوگا کہ ان کا اصلی اعتماد ،قرآن مجید کے اشارات اور کلام عرب پر ہوتا ہے،اور تاریخ کی روایات کو وہ ہمیشہ انہی دونوں کسوٹیوں پر پرکھ کر قبول کرتے ہیں اور حق یہ ہے کہ اس باب میں ان دو چیزوں کے سوا کسی تیسری چیز سے مشکل ہی سے مدد ملتی ہے۔(۲۳)

آگے مولانا فرماتے ہیں قرآن مجید کی زبان اور اس کے اسالیب کی مشکلات حل کرنے میں تین چیزیں کتب لغت اور کلام عرب، کتب نحو اور کتب بلاغت معاون ثابت ہوسکتی ہیں۔

کتب لغت میں سب سے زیادہ اہم مولانا نے''لسان العرب'' کو قرار دیا ہے یہ لغت قرآن مجید کے سلسلے میں ارباب تاویل کے اقوال نقل کردیتا ہے ،اس سے بچنے کی ضرورت ہے، کیونکہ اس سے لغت کا مفہوم فوت جاتا ہے۔اس کے بعد مولانا نے امام راغبؒ کی مفردات القرآن کا ذکر کیا ہے اور یہ بتایا ہے کہ یہ لغت بھی قرآن کے سلسلے میں زیادہ مفید نہیں ہے بلکہ یہ صرف مبتدیوں کے لئے ہے کیونکہ اس میں نہ تو سارے الفاظ ملتے ہیں اور نہ ہی کلام عرب سے استشہاد پیش کیا گیا ہے۔مولانا کہتے ہیں کہ ایسا کوئی لغت نہیں ہے جس میں یہ صراحت ہو کہ یہ لفظ خالص عربی ہے ،یا مولد۔ اس کے معنی کیا ہیں اور اس کے معانی میں سے کس پر اس کا اطلاق حقیقتاً ہے اور کن پر اطلاق مجاز (۲۴) صرف'' صحاح جوہری'' (۲۵) میں کہیں کہیں یہ چیز ملتی ہے۔مگر بہت کم۔ لفظوں کے حقائق کا اندازہ صرف کلام عرب اور اسالیب کلام سے لگایا جاسکتا ہے، اور انہی دونوں چیزوں کے ذریعہ الفاظ کے معروف اور شاذ معانی کا پتہ لگایا جاسکتا ہے، ورنہ وہی ہوگا کہ''تمنیٰ'' کے معنی تلاوت کرنے کے اور''نحر'' کے معنی سینہ پر ہاتھ باندھنے کے لئے جائیں گے۔ مولانا فراہیؒ کا اس سلسلے میں تمام تر انحصار کلام عرب پر تھا۔وہ اگر کسی لفظ کے بارے میں متردد ہوتے تو کلام عرب اور قرآن مجید میں اس کا حل تلاش کرتے۔(۲۶) اس سلسلے میں مولانا کی دو کتابیں'' اسالیب القرآن'' (۲۷) اور''مفردات القرآن'' (۲۸) بڑی عظمت کی حامل ہیں۔

قرآن کریم کی نحوی مشکلات کے سلسلے میں مولانا نے بتایا کو اس سلسلے میں کوئی ایسی کتاب نہیں ہے جس کی طرف اشارہ کیا جاسکے۔ارباب تفسیر میں تنہا زمخشریؒ ہیں جنہوں نے اپنی تفسیر میں نحوی مسائل سے بحث کی ہے مولانا نے اس باب میں ایک گرانقدر بات یہ کہی ہے کہ قرآن کریم کے طلبہ کو چاہیے کہ وہ کلام عرب پر اعتماد کریں اسی طرح مولانا نے یہ بھی بتایا کہ میری نظر میں ایسی کوئی کتاب نہیں جس میں قرآنی بلاغت سے بحث کی گئی ہو۔(۲۹) البتہ اس موضوع پر امام باقلانی (۳۰) کی خدمات قابل قدر ہیں۔ اسی طرح ابن تیمیہؒ اور ابن قیم کی

تصانیف میں بھی کچھ جواہر ریزے مل جاتے ہیں اور مولانا فراہیؒ کی کتاب ''جمیرۃ البلاغۃ'' (۳۱) اس سلسلہ کی آخری اور سب سے زیادہ اہم چیز ہے (۳۲) یہ کتاب قرآنی بلاغت کو سمجھنے میں حد درجہ معاون ہے۔

اس مقالہ کے آخر میں مولانا نے بتایا کہ قرآن کریم کے طالب علم کو دیگر آسمانی کتب کا مطالعہ بھی ضروری ہے تاکہ قرآن کریم کی ایک آخری آسمانی کتاب کی حیثیت سے عظمت منظر عام پر آسکے نیز اہل کتاب کے اعتراضات کا علمی اور مُسکت جواب اسی وقت ممکن ہے جب کسی کی توریت اور انجیل پر گہری نظر ہو۔ان کتابوں کے مطالعہ سے ایک دوسرا فائدہ یہ ہوگا کہ اہل کتاب کے باب میں جو اشارات اور تلمیحات ہیں انہیں بخوبی سمجھنے میں آسانی ہوگی۔خود قرآن کریم کی بہت سی آیات سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ ان آسمانی صحیفوں کا مطالعہ کیا جائے۔مثلاً ارشاد ربانی ہے:

وَ لَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُوْرِ مِنْ بَعْدِ الذِّكْرِ اَنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصَّالِحُوْنَ ۔ (سورہ الانبیاء: ۱۰۵)

اور ہم نے تو نصیحت کے بعد یقیناً زبور میں لکھ ہی دیا ہے کہ زمین کے وارث صالح بندے ہوں گے۔

دوسری جگہ ارشاد ہے:

اِنَّ هٰذَا لَفِي الصُّحُفِ الْاُوْلٰى۔ صُحُفِ اِبْرَاهِيْمَ وَ مُوْسٰى۔(سورہ الاعلیٰ:۱۸)

بیشک یہ بات پہلی کتابوں میں لکھی ہوئی ہے ابراہیم اور موسیٰ کی کتابوں میں۔

کتب سابقہ سے ایک قرآن کا طالب علم متعدد فوائد حاصل کرسکتا ہے لیکن ان کتابوں کے باب میں اصل معیار اور کسوٹی قرآن کریم ہی کو بنایا جائے گا۔مولانا حمید الدین فراہیؒ نے ایک طرف جہاں ان کتابوں سے فائدہ اٹھایا وہیں قرآن کی روشنی میں ان کی تحریف کی طرف اشارہ کرتے ہیں(۳۳) اس سلسلے میں مولانا کی کتاب ''الذبیح''(۳۴) بطور مثال ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔اسی طرح علامہ ابن تیمہ کے یہاں بھی ان کتابوں کا ذکر ملتا ہے۔

اس کتاب کا تیسرا باب تیسیر القرآن ہے،آغاز بحث میں مولانا نے فرمایا کہ قرآن نے خود مختلف جگہوں پر اپنی تعریف بیان کر دی ہے کہ وہ لوگوں کے لئے ہدایت ہے۔اللہ نے اسے آسان بنایا ہے۔وہ پیچیدگیوں سے پاک ہے۔اور ہر چیز کو وضاحت سے بیان کرتی ہے۔قرآن کی اس تعریف کی روشنی میں یہ کہا جاتا ہے کہ قرآن میں کوئی چیز گنجلک نہیں ہے۔تمام لوگوں کے لئے کتاب ہدایت ہے اسی لئے محتاج تفسیر تاویل نہیں اس کا انداز اتنا شگفتہ ہے کہ وہ اپنے سوا کسی چیز کا محتاج نہیں۔قرآن دانی کے لیے عربی زبان دانی کافی ہے۔اور وہ تفسیر آیات میں احادیث،شان نزول اور لغت عرب کا محتاج نہیں ہے۔یعنی وہ بالکل واضح ہے۔تفسیر آیات کے لئے صرف عربی زبان کا جاننا کافی ہے مذکورہ خیال کی روشنی میں تین چیزیں سامنے آتی ہیں۔

ایک تو یہ کہ چونکہ تمام طبقوں کے لئے صحیفہ ہدایت ہے اس لئے قرآنی تعلیم و دعوت کا معیار عام عقل انسانی کے معیار کے مطابق ہے۔اس کے اسرار و رموز کی وضاحت کے لئے خواص کی ضرورت نہیں۔دوسرے یہ کہ قرآن کریم کی ہر بات چونکہ قطعیت کا درجہ رکھتی ہے اس لئے اس کی وضاحت کے لئے تفسیر و تاویل کی ضرورت نہیں کیونکہ اس کا انحصار ظنیات یعنی روایات و احادیث پر ہوتا ہے اور تیسرے یہ چیز سامنے آتی ہے کہ قرآن کریم اپنے زبان وبیان کے لحاظ سے اس قدر شگفتہ ہے کہ ایک عجمی کے لئے صرف عربی زبان کے علم کے علاوہ کسی اور چیز کی ضرورت نہیں۔مولانا کا خیال ہے کہ ان آراء کے پیچھے بہت سی غلطیاں پوشیدہ ہیں جن کو آگے چل کر واضح کریں گے۔

اس سلسلے میں مولانا نے سب سے پہلے تفسیر کے مختلف ادوار کی طرف اشارہ کیااور بتایا کہ قرآن کریم کا سب سے مبارک دور دوراول تھالیکن بعد میں جب دائرہ اسلام کشادہ ہوا اور مختلف بدعات وخطرات سے قرآنی تعلیم دوچار ہوئی تو اہل سنت اور اہل حق نے یہ طے کیا کہ تفسیر قرآن کے باب میں تمام قیل وقال سے قطع نظرصرف احادیث رسولؐ اور اقوال و آثار صحابہؓ پر اعتماد کیا جائے گا۔اس اصول کے پیش نظر سب سے پہلے جو تفسیر منظر عام پر آئی وہ علامہ ابن جریر کی تفسیر ہے ایک آیت کی تفسیر کے لیے تمام روایات نقل کر دی گئی ہیں۔لیکن روایات کے سلسلے میں کوئی تنقید نہیں ہے جس کی وجہ سے ان میں جو جواہر ریزے ہیں وہ منکر اور ضعیف روایات کے انبار میں گم ہیں۔لیکن پھر بھی مولف کی یہ بہت بڑی خدمت ہے۔

اس کے بعد سب سے زیادہ مقبول اور مشہور تفسیر ابن کثیر کی ہے جو تفسیر ابن جریر کا خلاصہ ہے اس میں ایک اضافہ یہ ہے کہ محدثانہ طریق پر اس میں روایات کی تنقید کی گئی ہے۔اس کے بعد تفسیر کی بنیادی کتاب امام رازی کی ہے جو حکیمانہ طرز پر لکھی گئی ہے۔اصلاً یہ تفسیر اشعریت کی تائید و توثیق کے لئے لکھی گئی ہے۔جس کی وجہ سے مفید کی بجائے مضر ثابت ہوئی۔اس کے بعد تفسیر کی چوتھی اہم کتاب علامہ زمخشری کی تفسیر کشاف ہے یہ تمام مذکورہ تفاسیر سے جداگانہ ہے۔یہ اپنا محور عبارت قرآن کو بتاتے ہیں۔یہ پہلے لغت، اعراب اور ربط کلام سے بحث کرتے ہیں اور نہایت احتیاط کے ساتھ روایات بھی لاتے ہیں۔یہ تفسیر قرآن کریم کے طلبہ کے لئے مفید ہے۔لیکن افسوس یہ ہے کہ جس طرح امام رازی اشعریت کے ممد و معاون ہیں اسی طرح علامہ زمخشری مذہب اعتدال کے وکیل ہیں۔قرآن کریم کے ساتھ یہ حددرجہ ناانصافی ہے کہ اس کے پیچھے چلنے کے بجائے آدمی اس بات کی کوشش کرے کہ اس کو خود اپنے کسی فکر وخیال کے پیچھے چلائے۔

تفسیر کی یہی بنیادی کتابیں ہیں۔جن سے پتہ چلتا ہے کہ دور اول کے بعد تفسیر قرآن کی راہ میں جو پہلا قدم اٹھایا گیا وہی غلط تھا۔اس کے سدباب کے لئے روایات و آثار کا سہارا لیا گیا۔لیکن اس درجہ انہماک ہوا کہ صحیح اور ضعیف کا امتیاز مٹ گیا۔اور روایات کے ساتھ ساتھ قصوں اور اسرائیلیات کا ایک بڑا حصہ تفاسیر میں داخل کر دیا گیا۔(۳۵) اس کے متعلق مولانا کا خیال ہے، ظاہر ہے کہ تفسیر میں صرف روایات ہی پر پورا پورا اعتماد

کر لینا قرآن مجید کی قطعیت کو نقصان پہنچانا ہے اس صورت میں خود قرآن مجید کے الفاظ کا فیصلہ باطل ہو جاتا ہے۔(۳۶)مذکورہ گفتگو سے دو چیزیں منظر عام پر آتی ہیں ایک تو یہ کہ تفاسیر کا تمام تر انحصار صدر اول کے بعد روایت و آثار پر ہو گیا اور دوسرے یہ کہ علم کلام کے غلو نے قرآن مجید کی قطعیت کو حد درجہ متاثر کیا۔ یعنی قرآن کریم کے الفاظ پر اعتماد کرنے کے بجائے متکلمین کی برہانیات پر اعتماد شروع ہو گیا۔(۳۷)

اس کے بعد مولانا نے کلام کے مشکل اور آسان ہونے کے تین پہلوؤں کا ذکر کرتے ہوئے اس پہلو سے بحث کی ہے کہ قرآن کریم کے نزول کا مقصد کیا ہے؟ چونکہ روز اول ہی سے بنی نوع انسان کو شیطان کے مکروفریب کا سامنا کرنا پڑا اس لئے شیطان کی جعل سازیوں سے بچنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے مستقل اپنے انبیاء ورسل کے ذریعہ ہدایات بھیجنے کا انتظام کیا اور خاتم الرسل حضرت محمد مصطفیؐ کو آخری صحیفہ ہدایت قرآن کریم عطا کیا گیا۔ قرآن کریم کے نزول کا مقصد یہ ہے کہ بنی نوع انسان ہدایت کے راستوں پر گامزن ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کو شیطان کی چالوں سے بچنے کے لئے اس طرح تسلی دی۔

... فَاِمَّا یَاْتِیَنَّکُم مِنِّی هُدًی فَمَنْ تَبِعَ هُدَایَ فَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَ لَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ۔ (سورہ بقرہ ۳۸)

اگر میری جانب سے کوئی ہدایت آئے تو تم اس کی پیروی کرنا، جس نے میری ہدایت کی پیروی کی، ان کے لئے نہ خوف ہے۔ نہ وہ غمگین ہوں گے۔

اس کے بعد مولانا نے یہ مسئلہ اٹھایا ہے کہ جن و بشر میں سے جو بھی ہدایت کے راستہ سے لوگوں کو دور کرے وہ شیطان ہے۔ یعنی یہ شیاطین انسانوں میں بھی پائے جاتے ہیں۔ قرآن کریم کی اصطلاح میں شیطان کا مفہوم بہت وسیع ہے۔ انسانی شیاطین کی طرف قرآن کریم نے خود اشارہ کیا ہے۔

اَلَّذِی یُوَسْوِسُ فِی صُدُوْرِ النَّاسِ ۝ مِنَ الْجِنَّةِ وَ النَّاس. (سورہ الناس: ۵۔۶)

جو لوگوں کے دلوں میں وسوسہ ڈالتا ہے جنوں میں سے اور انسانوں میں سے۔

سورہ بقرہ میں ارشاد ہے:

وَ اِذَا لَقُوا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا قَالُوْا اٰمَنَّا وَ اِذَا خَلَوْا اِلٰی شَیَاطِیْنِهِمْ قَالُوْٓا اِنَّا مَعَکُمْ... (سورہ البقرۃ: ۱۴)

جب وہ مسلمانوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں ہم ایمان لائے اور جب اپنے شیطانوں (سرداروں) کے پاس ہوتے ہیں تو کہتے ہیں ہم تمہارے ساتھ ہیں۔

مولانا لکھتے ہیں کہ یہ ایک ضمنی بحث تھی اصلاً بتانا یہ ہے کہ قرآن کا نزول کن مقاصد کے پیش نظر ہوا ہے۔ قرآن کریم میں یہ چیز صراحت کے ساتھ موجود ہے کہ نبی اکرمؐ کو اس دنیا میں تین چیزوں کے لئے مبعوث کیا گیا:

۱۔ تلاوت آیات
۲۔ تزکیہ
۳۔ تعلیم کتاب

حواشی

۱۔ ''مبادیٔ تدبر قرآن'' کی پہلی اشاعت اپریل ۱۹۵۱ء میں ''تدبر قرآن'' کے عنوان سے ہوئی تھی۔ جس میں صرف دو باب ''تدبر قرآن'' اور ''تیسیر قرآن'' شامل تھے۔ ''تدبر قرآن'' ہی کے عنوان سے مئی ۱۹۵۲ء میں جب اس کی دوسری اشاعت زیر عمل آئی تو اس میں دو اور باب کے اضافے کئے گئے جن کے عناوین ''فہم قرآن کے لئے چند ابتدائی شرطیں'' اور ''تفسیر کے اصول'' تھے اور اس کا عنوان ''مبادی تدبر قرآن'' کر دیا گیا۔

۲۔ اس سلسلے میں دیکھیے ؛مولانا حمید الدین فراہیؒ اور علم حدیث۔ مولانا امین احسن اصلاحیؒ مرحوم۔ مجلّہ الفرقان لکھنو جلد ۶۶، شمارہ ۰۹، دفتر ماہنامہ الفرقان۔ ۱۳۱/۱۴ اظہر آباد لکھنو ستمبر ۱۹۹۸ ص ۱۴۔۱۸۔

۳۔ تدبر قرآن۔ امین احسن اصلاحی۔ مکتبہ چراغ راہ لوٹیا بلڈنگ آرام باغ روڈ، کراچی۔ بار دوم مئی ۱۹۵۶ ص ۲۴۔ ۲۵

۴۔ حوالہ سابق ص ۲۷۔۲۸ ۵۔ حوالہ سابق ص ۲۹

۶۔ حوالہ سابق۔ وضاحت کے لئے دیکھئے ص ۳۲ تا ۳۴۔ ۷۔ حوالہ سابق ص ۳۴۔ ۳۵۔

۸۔ حوالہ سابق ص ۴۱۔ ۴۲ ۹۔ حوالہ سابق ص ۴۲۔۴۳ ۱۰۔ وضاحت کے لئے دیکھیے ص ۴۴۔ ۴۶

۱۱۔ حوالہ سابق ص ۴۷۔ ۱۲۔ حوالہ سابق ص ۱۲ ۱۳۔ حوالہ سابق۔ وضاحت کے لئے دیکھیے ص ۵۳۔۶۴

۱۴۔ حوالہ سابق ص ۶۴ ۱۵۔ وضاحت کے لئے ص ۶۵۔ ۷۱ ۱۶۔ حوالہ سابق ص ۷۱ ۱۷۔ حوالہ سابق ۷۳۔۷۴

۱۸۔ ایضاً ص ۷۵ ۱۹۔ حوالہ سابق ص ۷۹۔ ۸۰ ۲۰۔ وضاحت کے لیے دیکھیے ص ۸۴۔۹۰

۲۱۔ حوالہ سابق ص ۹۰

۲۲۔ مولانا کی یہ تفسیر جزوی طور پر اور دیگر تفسیری اجزاء کے ساتھ شائع ہو چکی ہے۔ دیکھیے تفسیر نظام القرآن۔ حمید الدین فراہیؒ (ترجمہ از امین احسن اصلاحی) دائرہ حمیدیہ مدرسۃ الاصلاح سرائے میر اعظم ۱۹۹۰ء ص ۳۶۳۔۴۱۰۔ مولانا کی یہ تفسیر اہل علم کے نزدیک ہمیشہ معرض بحث بنی رہی اس سلسلے میں دیکھیے مولانا فراہیؒ کا سورۃ الفیل پر اعتراضات کا جائزہ، مولانا نسیم ظہیر اصلاحی، مجلّہ تحقیقات اسلامی علی گڑھ۔ ۲/۶، اپریل۔ جون ۱۹۸۷ ص ۲۸۔۱۹۶۔

۲۳۔ تدبر قرآن ص ۹۱ ۲۴۔ حوالہ سابق ص ۹۱۔۹۲ ۲۵۔ صباح جوہری بحوالہ تدبر قرآن ص ۹۱۔۹۲

۲۶۔ مبادی تدبر قرآن۔ مولانا امین احسن اصلاحی۔ مرکزی انجمن خدام القرآن۔ لاہور۔ بار چہارم ۱۹۸۰ ص ۶۰۔

۲۷۔ ''اسالیب القرآن'' پر دیکھیے قرآن مجید کے بعض اسالیب سے متعلق مولانا فراہی کی توضیحات، ایک مطالعہ۔ مولانا تعلیم الدین

اصلاحی (علامہ حمید الدین فراہی ،حیات و افکار،۱۹۹۲ انجمن طلبہ قدیم مدرسۃ الاصلاح سرائے میر اعظم گڑھ، یوپی انڈیا۔ص ۳۸۷۔۴۰۱

۲۸۔مفردات پر خاکسار کا مضمون دیکھیے۔ ۲۹۔تدبر قرآن ص.۹۵.۹۶

۳۰۔وضاحت کے لیے دیکھیے ''اعجاز القرآن. الباقلانی ابوبکر محمد بن الطیب دارالمعارف مصر.(بدون تاریخ) ص۷۲۔

۳۱۔ وضاحت کے لیے دیکھیے .جمیرۃ البلاغہ، المعلم عبدالحمید الفراہی۔ الدائرۃ الحمیدیہ،اعظم گڑھ،الہند۱۳۶۰ھ ص۱۔۸۸

۳۲۔''جمرۃ البلاغہ'' پر دیکھیے ؛ مولانا فراہی کے تنقیدی نظریات .جمرۃ البلاغہ کی روشنی میں. پروفیسر محمد راشد ندوی.ص۵۳۳۔۵۷۶(علامہ حمید الدین فراہی،حیات و افکار) نیز دیکھیے .مولانا فراہی اور شعریات مشرق،ڈاکٹر عبدالباری۔ ص۵۴۷۔۵۶۱(علامہ حمید الدین فراہی .حیات وافکار)

۳۳۔وضاحت کے لیے دیکھیے .تدبر قرآن ص۹۶۔۱۰۰

۳۴۔ذبح کون ہے .حمید الدین فراہیؒ(ترجمہ امین احسن اصلاحی) طبع اول .دائرہ حمیدیہ مدرسۃ الاصلاح سرائے میر اعظم گڑھ.(بدول تاریخ)ص۱۔۱۸۵. ۳۵۔وضاحت کے لیے دیکھیے .تدبر قرآن ص۱۰۳۔۱۱۲

۳۶۔حوالہ سابق ص۱۱۲۔ ۳۷۔حوالہ سابق ص۱۱۹

امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا:

اِنّ اللّٰہ تبارك و تعالی لم یدع شیئا تحتاجُ الیه الامه الا انزله فی کتابه و بینه لرسوله و جعل لکل شیء حدا و جعل علیه دلیلا یدل علیه..... (حویزی، تفسیر نورالثقلین، ج۳ ص ۸۲۰)

ہر اس چیز کو جس کی امت کو ضرورت تھی، اللہ تعالیٰ نے نظر انداز نہیں فرمایا بلکہ اسے قرآن مجید میں نازل فرمایا، اسے اپنے رسول کے لئے واضح کیا، اس کے لئے حدود اور قانون کو مقرر فرمایا اور اس قانون سے امت کے استفادے کے لئے دلیل کو مشخص فرمایا۔